Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم و حکمت قرآن کے لیے مقرر نصاب کے مطابق

غیر متبدل قوانینِ قرآن

قانونِ ابتلاء

الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم -33، نزد جمالی پل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

ابتلاء آزمائش نہیں

عام طور پر اِبْتَلَاء کے معنی آزمائش لیے جاتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کی تصریفات اور لغات القرآن میں اس کا معنی ظاہر یا نمود کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ مفردات میں اِبْتَلٰی فُلَانٌ وَ اَبْلَاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ دو امر کو متضمن ہوتا ہے (۱) اس شخص کی حالت جانچنا اور اس سے پوری طرح باخبر ہونا مقصود ہوتا ہے۔ اور (۲) کسی چیز کی اصل حالت کو ظاہر کرنا۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوگا تو وہاں صرف دوسرے معنی مراد ہونگے، یعنی "کسی چیز کی اصل حالت کو ظاہر کرنا۔" کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ہے اس لیے ان کے لیے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کی حالت سے بے خبر ہے۔ اس لیے بَلَآءٌ کا معنی مشکلات اور تکالیف کے وقت میں انسان کی حقیقی سیرت اور مضمر کیفیات کا ظاہر ہو جانا ہے۔ قرآن حکیم کی مختلف آیات اس تفہیم کی تائید کرتی ہیں۔

سورۃ طارق میں ارشاد ہوا ہے:

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ (آیت:۹)

"جس روز کہ تمام بھید آشکار ہونگے، اور ان کی جانچ پڑتال ہو گی۔"

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ (آیت:۱۵۴)

"تاکہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کر دے جو آپ کے سینوں میں پوشیدہ تھیں۔"

سورۃ یونس میں فرمایا کہ:

هُنَالِكَ تَبۡلُوۡا كُلُّ نَفۡسٍ مَّاۤ اَسۡلَفَتۡ (آیت:۳۰)

"وہاں ہر شخص اپنے ان اعمال کو سامنے موجود دیکھے گا جو اس نے سرانجام دیے تھے۔"

سورۃ المؤمنون میں حضرت نوحؑ کی قوم کا احوال بتانے کے بعد فرمایا کہ:

اِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ۝۳۰ (آیت:۳۰)

"ہم (پچھلی اقوام کے احوال) اس طرح ظاہر کرتے رہتے ہیں۔"

پیغمبروں کی ابتلا ان کی نشوونما اور تربیت ہوتی ہے

یہی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرآن حکیم میں فرمائی گئی ہے:

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (البقرہ:۱۲۴)

"جب اس کے پروردگار نے ابراہیم کے لیے اپنے کلمات (قوانین) کے ذریعے اس کی شخصیت کی اصل حالت کو ظاہر کیا۔"

جب وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق زندگی کے مختلف دشوار مراحل سے گذر آیا اور واضح ہو گیا کہ اس کی نشوونما پوری ہو چکی ہے، اور اس کی صلاحیتیں تکمیل تک پہنچ چکی ہیں تو اس کو قرآن حکیم نے فَاَتَمَّهُنَّ کہا ہے۔

اِبۡتَلَاء کا معنی سورۃ الدہر میں اور بھی واضح ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہاں اِبۡتَلَاء کے لفظ کو قرآن حکیم نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے پوشیدہ جوہروں کا مخصوص شکل میں سامنے آنے کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش مرد اور عورت کے نطفہ ملنے سے ہوتی ہے۔ نطفہ خود باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جسے

خوردبینی کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن ان بظاہر نظر نہ آنے والے جرثوموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن یوں ظاہر کرتا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ (الدہر:۲)

"بیشک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا، پھر رحم مادر میں اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی ہے تاآنکہ وہ ایک سننے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جاتا ہے۔"

مذکورہ تصریف آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم اِبْتَلَاء یعنی اللہ کی طرف سے آزمائش کہتے ہیں وہ قرآنی تصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو آزماتا نہیں بلکہ وہ ایسے مواقع بہم فراہم کرتا ہے جس سے انسان اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور یہ دیکھے کہ وہ کس حد تک نشوونما پاچکی ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی کوششوں سے اپنے صلاحیتوں کو بڑھاتا جاتا ہے۔ اب ان مذکورہ تصریفات کی روشنی میں اِبْتَلَاء کی معنی اگر آزمائش اختیار کیا جائے گا تو اس کو متذکرہ پس منظر میں سمجھا جائے گا۔

آزمائش استعداد نبوت کے خلاف ہے

اِبْتَلَاء کے معنی کو گر عام معروف معنی میں آزمائش کے لفظ سے حضرت ابراہیمؑ اور دوسرے پیغمبروں سے معلق کیا جائے گا تو پھر اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا انتخاب نامکمل شمار ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے فرمایا کہ: "میں نے اسے دنیا کی آمیزشوں سے پاک کرکے ایک مقصد کے لیے منتخب کر لیا ہے۔"

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ (البقرہ:۱۳۰)

تو پھر اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات اپنے انتخاب کے "اصل حالت کو ظاہر کرے گی" یہی اس کی اِبْتَلَاء ہے۔ مختلف انبیاء کے لیے بھی یہی کہا گیا ہے کہ ہم

نے ہی انہیں انتخاب کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران:۳۳)

"بلاشبہ (یہ واقعہ ہے کہ) اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے گھرانوں کو تمام دنیا میں منتخب فرمایا۔"

پیغمبروں کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَيۡنَ الۡاَخۡيَارِ ﴿۴۷﴾ (ص:۴۷)

"یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب افراد میں سے ہیں۔"

پھر ان کے لیے یہ بھی فرمایا:

اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ (ص:۴۶)

"ہم نے ان کو خالص وصف پر برگزیدہ کیا تھا۔"

اب اگر اللہ تعالیٰ اعلیٰ انسانیت میں سے خالص انسانوں کا انتخاب کر کے پھر ان کو آزمائش میں ڈالے کہ دیکھے کون بہادر بن کر کھڑا ہوتا ہے اور کون لڑکھڑاتا ہے تو یہ بات نبوت کے استعداد کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو نبوت عطا کرنے کے لیے ان کو نبوت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان میں استعداد نبوت پیدا کرتے ہیں وہ استعداد ان کے کام کے موافق حالات کے لیے نشوونما اور تیاری کی ہوتی ہے اور اس کا مقصد آزمائش نہیں بلکہ ان کی تربیت اور نمود ہوتی ہے۔

مصیبتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتیں

اس تمہید کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تکالیف اور مصیبتیں اللہ تعالیٰ کے قوانین کی روشنی میں انسانوں کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر سامنے آتی ہیں۔

مصیبتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش نہیں ہوتیں، وہ انسان کا اپنا کسب ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم سورۃ شوریٰ میں تکالیف اور مصیبتوں کی وجہ کو ان صاف الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (شوریٰ:۳۰)

”اور تم کو جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے کرتوتوں کے نتائج بن کر آتی ہیں۔“

سورۃ آل عمران میں ہے اور جب ان پر مصیبت گرتی ہے تو کہتے ہیں اَنّٰى هٰذَا ”یہ کہاں سے آ گئی اور اس کا ذمہ وار کون ہے؟“ قرآن نے کہا کہ: قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آیت:۱۶۵) ”انہیں کہو کہ ”یہ تمہارے اپنے نفسوں کی کمائی ہے۔“ اس کا ذمہ وار دوسرا کوئی بھی نہیں تم خود ہی ہو۔ سورۃ نحل میں ہے:

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (آیت:۳۴)

”خود ان کے برے اعمال مصیبت بن کر ان کے سامنے آ گئے۔“

اب ذرا سوچیں کہ آدمی اگر یہ گمان کر کے بیٹھ جائے ان تکالیف میں ڈال کر اللہ تعالیٰ مجھے آزماتا ہے تو آدمی اپنی اصلاح کرنے کے بجائے ان تکالیف میں سمائے رہنا اپنے لیے سعادت سمجھے گا۔ جبکہ تکالیف سے نکلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانونِ حسنات اور سیئات موجود ہے۔ انسان کی حسنات ہی اس کی سیئات کو ختم کر کے اس کو تکالیف سے نکالتی ہیں۔ اس لیے مصیبتوں کو جب مصیبت سمجھا جائے گا تو تب ان کی تلافی کر کے ان سے جان چھڑانے کی فکر مندی، سعی اور عمل کیا جا سکے گا۔

مصیبتیں نتیجہ ہوتی ہیں

اس موضوع پر سورۃ النساء کی دو آیتیں غور طلب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے

زمانے کے ایک گروہ کی ذہنیت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ؕ (آیت:۷۸)

"(اے پیغمبر!) جب ان لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات پیش آتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہماری کوششوں کا بدلہ ہے لیکن جب کبھی کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے (یعنی پیغمبر اسلام کی وجہ سے پیش آیا ہے)۔ تم ان کو کہہ دو کہ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ؕ کہہ دو کہ جو کچھ (بھلائیاں اور مصیبتیں) ہوتی ہیں سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔" اس کے بعد فرمایا گیا ہے:

فَمَالِ هٰٓؤُلَۤاءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ﴿۷۸﴾ (آیت:۷۸)

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور جو ان کے دل میں آتا ہے کہے جاتے ہیں۔" اس کے بعد آیت ۷۹ میں یہ بات ان کو سمجھائی گئی ہے کہ یاد رکھو

مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ‌ؕ

"اصل حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ بھلائی تمہیں پیش آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو مصیبت آپ کو درپیش ہوتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہوتی ہے (ہماری طرف سے نتیجہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔)"

مذکورہ دو آیات میں پہلے بتایا گیا ہے جو واقعات بھی بھلائی یا خرابی کے رونما ہوتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق رونما ہوتے ہیں جس کو كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ کہا گیا ہے۔ پھر آگے آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر اس کے بتائے

ہوئے مستقل اقدار کے قوانین کے مطابق چلوگے تو اس کا نتیجہ حسنات یعنی بھلائیاں ہی بھلائیاں ہوں گی۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ اور اگر تم اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے برخلاف اپنی چاہت اور اپنے فیصلوں کے مطابق چلوگے تو اس کا نتیجہ مصیبتیں اور مشکلات ہوں گی۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ یعنی کوشش و عمل کے اس جہان میں تمام نتائج اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا و سزا کے مطابق مرتب ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے سب مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ہوں گے۔ یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق ہوں گے تو ان کے خوشگوار نتائج کو مِنَ اللّٰهِ ۔ کہا گیا ہے اور جو کام اس کے برعکس آدمی کی اپنی مرضی کے مطابق ہوں گے تو ان کے خراب نتائج کو مِنْ نَّفْسِكَ ۔ کہا گیا ہے۔

یہاں ایک عظیم حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ بھلائیاں ہی بھلائیاں ملتی ہیں۔ مصیبتیں اور مشکلات جن کو شر کہا گیا ہے وہ انسان کی اپنی کمائی اور کسب ہوتا ہے، جس کو وہ بھگتتا ہے۔

ذلت و خواری بھی نتیجہ ہوتے ہیں

قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کا یہ عالمگیر قانون بھی بتایا ہے کہ ہر وہ آدمی جس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ ضابطۂ قوانین خداوندی کے ایک حصے کو مانے اور دوسرے حصے کو ماننے سے انکار کردے تو وہ دنیاوی زندگی میں بھی خوار ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس پر اس سے بھی زیادہ سخت عذاب مسلط کیا جائے گا۔ سورۃ الفجر میں اس حقیقت کو بڑے دلنشین انداز میں سامنے لایا گیا ہے کہ جب انسان ذلیل و خوار ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ (آیت:۱٦) ”اللہ نے مجھے یونہی ذلیل و خوار کر دیا۔“ اس کے جواب میں کہا کہ:

"ان سے کہہ دو کہ یہ صحیح نہیں۔ اللہ کسی کو یونہی ذلیل نہیں کرتا۔ تم ذلیل ہوئے ہو اپنے اعمال کے نتیجہ میں۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ معاشرہ میں جو لوگ تنہا یتیم رہ جاتے ہیں تو تم ان کی عزت نہیں کرتے ہو۔ اور جن کو رزق کی تنگی گھیر لیتی ہے تو ان مساکین کو نہ خود کھانا کھلاتے ہو نہ ایسا کوئی نظام بناتے ہو۔ جو کچھ تمہیں باپ دادا کی وراثت سے ملتا ہے تو تم اس کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ تم نے ایسا معاشی ڈھانچہ بنا رکھا ہے کہ دوسروں کی محنت کا استحصال کرکے مال پہ مال جمع کرتے جاتے ہو۔ یہ ہے تمہاری ذہنیت اور تمہارا نظام جس کا نتیجہ یہ ذلت و خواری ہے۔" (آیت:۲۰-۱۶)

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا

اگر یہ ذلت و خواری اور مصائب و تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں تو یہ ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے بیشمار مقامات پر واضح کر دیا ہے۔ سورۃ یونس میں بتایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ (آیت:۴۴)

"اللہ انسانوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا۔ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔"

ظلم کرنا تو ایک طرف وہ اپنے بندوں پر اس کا ارادا بھی نہیں کرتا۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ (المؤمن:۳۱) وہ کہتا ہے ذرا سوچو تو سہی مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ (النساء:۱۴۷) "اگر تم اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو اور قوانین خداوندی پر کاربند رہو تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے؟" انسانوں کو تکالیف اپنی غلط روش کی وجہ سے پہنچتی ہیں۔ اس کو اپنے آپ پر ظلم کرنا کہتے ہیں۔

مصیبتوں میں گرفتار دو قسم کے لوگ

ہم اپنے معاشرے میں دو قسم کے انسان دیکھتے ہیں جو مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی آزمائشیں آن پڑی ہیں۔ ان لوگوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی بظاہر نمازی، حاجی اور غازی بن کر زندگی گذارتے ہیں لیکن اسلام کی سلامتی اور خوشگوار زندگی کے اطمینان سے محروم ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں جو اپنی دیانتداری کے باوجود معاشرے میں تکالیف کا شکار ہوتے ہیں، ان کی تکالیف میں فرق ہے۔ جہاں تک پہلی قسم کے لوگوں کا تعلق ہے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے جزا اور سزا یا مکافاتِ عمل والے قوانین میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ تکالیف اور مصائب سب اللہ تعالیٰ کے قوانین کے انحراف کی وجہ سے ہی آتی ہیں۔ پھر بھلے وہ نمازی اور حاجی کیوں نہ ہوں۔

مَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ (شوریٰ:۳۰)

”اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات اور انسان کی تخلیق ہی جزا اور سزا کے قانون پر رکھی ہے۔ اور دین جو انسانوں کو عطا کیا گیا ہے اس کی معنیٰ بھی بدلہ یا جزا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر کام ایک نتیجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حسنات یعنی بھلائیوں کے کام سلامتی اور بھلائی والے نتیجہ رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین کے انحراف والے سیئات کے کام اس کی سلامتی والی زندگی سے محروم رکھتے ہیں۔ جب آدمی قرآن کے بتائے ہوئے دین کے بجائے سنی سنائی روایتی اور رسمی مذہبیت کی زندگی گذارتا ہے اور خود کو قرآن میں بتائی ہوئی قوانینِ خداوندی والی زندگی کے بجائے مذہبی پیشوائیت

کی اٹک مٹک، میٹھی میٹھی باتوں کو دین بنالیتا ہے تو پھر اپنی اس مرضی اور انتخاب والے اعمال کے نتائج آدمی کے لیے مکافات کا عذاب بن جاتے ہیں۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ اس طرح کی روش سے اس دنیا میں بھی خسارے اور مصیبتیں درپیش آتی ہیں اور آدمی اس کے نتیجہ میں آخرت کی زندگی میں بھی خسارے کا شکار ہو گا۔

لوگ خاندانی مذہبی روایات میں یا آسان مذہبیت کی میٹھی میٹھی باتوں کے پیچھے ان پیشواؤں کی چُنگل میں پھنستے ہیں اور وہ انہیں کچھ راتوں کے جاگنے کی فضیلتیں بتا کر ان تمام گناہوں کی معافی کا یقین دلاتے ہیں۔ کچھ اعمال سے تمام گناہوں کے دھل جانے اور ماں کے پیٹ سے نئے سر سے جنم جیسی معصومیت کے دلاسے دیتے ہیں۔ قوانین خداوندی کے ذریعے اعمال کے نتائج کا تصور مضبوط کرنے کی بجائے اس کے برعکس انہیں مجبور محض بتا کر کہتے ہیں کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ انسان اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اس کی زندگی میں جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ سب اس کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جس طریقے اور مذہب پر تم چلنے ہو وہ بھی لکھا ہوتا ہے اور اس تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ مقدر کو کوئی بدل نہیں سکتا وغیرہ۔ اس طرح کا مذہب جو قرآن حکیم کے قوانین خداوندی کی روشنی میں صاف اور واضح تعلیم کے خلاف تھا، اسے مسلمانوں کے عقائد میں شامل کرتے جاتے ہیں۔

سورۃ سبا میں قرآنِ حکیم نے پیشواؤں کے اس تسلط سے آگاہ کیا ہے اور آخرت میں ان لوگوں کی طرف سے رہنماؤں اور پیشواؤں کے ساتھ جھگڑے کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کاش تم اس وقت کا حال ان لوگوں کے سامنے لاؤ جب یہ لوگ جنہوں نے ناانصافیوں اور حق تلفیوں کی ظلم والا راستہ اختیار کیا تھا، اللہ کے حضور میں آکر کھڑے ہوں گے اور اپنے عملوں کا ایک دوسرے پر الزام ڈالیں گے۔ کمزور عوام اپنے رہنماؤں اور پیشواؤں کو کہیں گے کہ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے تو ہم یقیناً اللہ کے قوانین پر ایمان لے آتے۔ رہنما ان کو جواب دیں گے کہ ہمیں طعنے کیوں مارتے ہو؟ جب ہدایت کا سیدھا راستہ تم لوگوں کے سامنے آگیا تھا تو ہم نے تم کو کہاں روکا تھا، یہ تم ہی تھے کہ تم نے ناانصافیوں اور جرائم پر کمر کسی ہوئی تھی۔ وہ کمزور لوگ اپنے طاقت ور رہنماؤں اور پیشواؤں کو بولیں گے کہ تمہاری شب و روز کی فریب کاریوں کے بچھائے جال نے ہمیں روک رکھا تھا کہ ہم انحراف کے راستے پر چلنے والے ہوں، اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو کارساز بنائیں۔" (سبا: ۳۲-۳۱)

لیکن اس دن کسی کا بھی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳ (الصّٰفّٰت: ۳۳) "وہ سب اس عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے جو اس دن ان کو بھگتنا ہو گا۔" اس دن کوئی آدمی بھی اپنی مجبوری دکھا کر خود کو نہیں بچا سکتا، جب انسان کو آزاد ارادہ اور اختیار عطا شدہ ہے تو پھر خود کو مجبور دکھانا یہی اس کا سب سے بڑا جرم ہو گا جس کی سزا سے نہیں بچا جا سکے گا۔

دیانتدار لوگوں کی تکالیف

جہاں تک دیانتدار انسانوں کی تکالیف میں آنے کا تعلق ہے تو اس بات کو بھی قرآن حکیم کے بتائے ہوئے قوانین کی روشنی میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس مسئلہ پر مغالطے کا شکار تب ہوتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ ایک انسان ان تکالیف اور مصائب

میں بھی گھر جاتا ہے جس کا ذمہ وار وہ خود نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک کرپٹ اور بد دیانت اور معاشرے میں ایک دیانتدار اور امانت کے اصولوں پر زندگی گذارنے والا طرح طرح کی پریشانیوں کا شکار ہوتا ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ اس کی دیانت کا نتیجہ تکالیف سے مبرہ زندگی ہو۔ اس مسئلہ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جب انسان کسی معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے تو وہ اس معاشرے کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب معاشرہ انصاف پر مبنی ہو تو اس کے اچھے نتائج سب کو مشترکہ طور پر ملتے ہیں۔ اچھائیوں کے پیدا کرنے میں جن کا حصہ نہ ہو وہ بھی اس معاشرے سے اپنا حصہ پاتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق جو معاشرہ ظلم وناانصافی پر مبنی ہو تو اس کے ناپسندیدہ اور مضر نتائج ان لوگوں کو بھی بھگتنے پڑتے ہیں جن کا ان خرابیوں اور تباہیوں سے براہ راست تعلق نہ ہو یا ان برائیوں میں کوئی حصہ نہ لیا ہو۔ جب سیلاب میں کسی دریا کا بند ٹوٹ جاتا ہے تو اس کے ذمہ دار حکومتی اہلکار ہوتے ہیں لیکن ان کی تباہ کاریوں کو وہ بھی بھگتتے ہیں جن کو اس بات کا علم بھی نہ ہو کہ بند کیسے ٹوٹا ہے۔ یہی وہ اجتماعی خطرات ہوتے ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ: وَ اتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً ۚ (الانفال:۲۵) ”اپنے معاشرے کو اس خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرو جو جب آتا ہے تو اس کی زد میں ظلم کرنے والے خاص ہو کر نہیں آتے۔“ اس لیے معاشرے کے تمام باشعور لوگوں کو معاشرہ بدلنے کے لیے اپنے اپنے حصہ کی کوششیں لازمی کرنی چاہییں۔

اللہ تعالیٰ کے حفاظت میں رکھنے کے قوانین

ایک دور تھا جب قرآن حکیم ہی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کا سرچشما ہوتا تھا تو ان وقتوں کے مسلمان تمام اجتماعی مصائب کے متعلق سوچتے تھے کہ ان کے اسباب

کیا ہو سکتے ہیں اور پھر اس کے لیے اجتماعی کوششیں لیتے تھے اور اپنے حکمرانوں کو خبر دار کرتے تھے۔ بعد میں جب ملوکیت اور بادشاہوں کا دور آیا تو انہوں نے معاشرتی خرابیوں کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہونے کے لیے اپنے پروردہ مذہبی پیشواؤں سے مل کر لوگوں کو یہ وعظ سنانا شروع کر دیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ اسی لیے یہ خرابیاں ہمارے لیے اوپر سے لکھی ہوئی تقدیر ہیں۔ ان بادشاہوں نے اپنے مظالم اور ناانصافیوں کو اس طرح کی مذہبی تشریحات میں چھپائے رکھا۔ ان وعظوں کے نتیجہ میں لوگوں کا یہ عقیدہ راسخ ہوتا گیا کہ ہر مصیبت اللہ تعالیٰ کی مرضی سے وارد ہوتی ہے اور یہ مصائب انسان کے لیے آزمائش کا درجہ رکھتے ہیں، جن پر صبر و شکر کرنے کے علاوہ کوئی چارا نہیں یوں اس کے نتیجہ میں معاشروں کو تبدیل کرنا، ریفارمیشن اور انقلابوں کے لیے سوچنا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا اپنی مالی اور جانی وسائل کی قربانیوں کو ان کے لیے وقف کرنے کے کام عملوا الصالحات سے خارج ہوتے گئے۔

لیکن جو لوگ اپنی بساط بھر کوششوں سے اصلاح و انقلاب کے لیے عملی کام کرتے رہے، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کی قربانی سے حق کا ساتھ دیتے رہے۔ اس طرح انہیں اجتماعی عملی کوششوں کا موقع ملا تو وہ ان کوششوں میں شریک ہوئے، اور جہاں اپنی انفرادی سطح پر کردار ادا کرنے کا موقع ملا تو اس حیثیت میں انسانوں سے بھلائیوں کے کاموں میں بھی جڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں اور عملوں کو ضایع ہونے نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے لیے یہ قانون واضح کر دیا تھا کہ:

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ

دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ (النساء:۹۶-۹۵)

"مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہیں ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (یعنی جہاد، جہد و کوشش میں شریک نہیں ہوئے ہیں) وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے مال و جان سے جہاد، جہد و کوشش کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بااعتبار درجے کی فضیلت دی ہے اور (یوں تو) اللہ کا وعدہ نیک سب کے لیے ہے (کسی کا بھی عمل نیک ضایع نہیں ہو سکتا، لیکن درجے کے اعتبار سے سب برابر نہیں) اور (اسی لیے) بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد، جہد و کوشش کرنے والوں کو ان کے بڑے اجر میں بھی اللہ نے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس کی طرف سے (اس کے بنائے ہوئے قانون کی رو سے) درجے ہیں، اس کی مغفرت (حفاظت اور رحمت میں آنے کا بندوبست) ہے۔ اور وہ بڑا ہی حفاظت اور رحمت کی بخشش میں لانے والا اور رحمتوں میں رکھنے والا ہے۔" اس آیت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ جو لوگ معاشرے میں جہاد، جہد کی کوششوں میں شریک نہیں ہوتے تو ان کی اپنی دوسری نیکیاں اللہ کے ہاں ضایع نہیں ہوتی لیکن درجے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جہاد، جہد و کوشش کرنے والوں کو ان کے بڑے اجر میں فضیلت عطا فرمائی ہے، اور وہ فضیلت یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی رو سے وہ اس کی مغفرت یعنی حفاظت اور رحمت کے قوانین کی چھتری تلے آجاتے ہیں۔

اسی طرح کا کلیہ و قانون سورۃ الانعام میں بھی بتایا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾

(آیت:۸۲)

”جو لوگ اللہ کے قوانین پر ایمان لائے اور اُن پر اس طرح عمل کیا کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ناانصافیوں اور حق تلفیوں جیسے مظالم سے آلودہ نہ کیا تو ان کے لیے امن ہی امن ہے اور وہ (اللہ کی طرف سے ٹھہرائے ہوئے) ہدایت والے راستے پر گامزن ہیں۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بتا دیا ہے کہ اگر آپ خود کو ظلم اور ناانصافیوں سے بچا کر راہِ راست پر چلتے رہیں تو غلط راستے پر چلنے والے آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

انسان کی مادی اور حیوانی زندگی کے مصائب

کبھی کبھی آدمی کو ان تجربات سے بھی گذرنا ہوتا ہے کہ دیانتدار آدمی کو دیانت پر چلنے کی وجہ سے تکالیف آتی ہیں تو اس مسئلہ کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسانی زندگی کی مادی، حیوانی اور انسانی تین سطحیں ہیں۔ انسان کی مادی اور حیوانی زندگی جو پیچھے سے چلی آ رہی ہے وہ طبعی قوانین کے تابع رہتی ہے۔ اس میں نیک و بد یا مؤمن و کافر کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ آگ میں ہاتھ نیک آدمی ڈالے یا گنہگار دونوں کا جلے گا۔ جنگل کو آگ لگے گی تو سوکھے درختوں کے ساتھ ہرے درخت بھی جلیں گے۔ اب طبعی قانون کے تحت ایسی کیفیت جب مومن کو آجائے تو پھر مومن کے لیے اس وقت استقامت سے جم جانا اور حالات کا مقابلہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے قرآن حکیم صبر سے استعانت لینے اور ساتھ ہی صلوٰۃ سے استعانت لینے کا حکم کرتا ہے۔ کیونکہ نظامِ صلوٰۃ اجتماعیت کے ذریعہ ان کے اعصاب اور فعالیت کو مستحکم کرتا ہے۔

دیانتداری کی زندگی میں آنے والے مصائب ابتلا میں شمار ہوتے ہیں

دوسری طرف انسانی سطح والی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل قدروں کے قوانین عطا ہوئے ہیں، جن پر عمل کے نتیجہ میں انسان کے شخصیت کی ڈیولپمنٹ ہوتی ہے اور اس کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی کوششوں اور اپنے اعمال سے خود کو جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ زندگی کی صورت میں ظاہر اور مشہود کریگا تو اس صورت میں وہ اس اِبْتَلَاء کا حصہ بنتا ہے جو صالحین کے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مقدر (قانون) کر دی ہے۔ یہ اِبْتَلَاء انسان کے اپنے اپنے عمل اور کوشش کے درجہ کے حساب سے ہوتی ہے، اور اس کے لیے قرآن حکیم نے واضح فرمایا ہے کہ وہ ہو کر رہے گی۔ اس اِبْتَلَاء میں ظلم کے خلاف نبرد آزمائی بھی ہو گی اور دوسرے خطرات کا اندیشہ بھی ہو گا۔ وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ ”کھانے پینے کی کمی بھی ہو گی وَ الۡجُوۡعِ ۔ مالوں اور جانوں کا نقصان بھی ہو گا وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ۔ اور کھیت بھی اجڑیں گے وَ الثَّمَرٰتِ۔ پھر جو لوگ ان تمام باتوں کے باوجود استقامت کے ساتھ جمے رہیں گے ان کو فتح و کامرانی کی بشارت دے دو وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۔ یہ وہی لوگ ہیں جو مصائب اور پریشانیاں آنے کی صورت میں بے قرار و مایوس ہونے کی بجائے اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے کاموں اور اس کے قوانین کی بجا آوری میں سرگرداں رہتے ہیں اور اس وقت ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ۔ ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اپنی کوششوں اور عمل سے رجوع کرنے (احکام و قوانین خداوندی پر چل کر) اس کی رضا و محبوبیت کو حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۔ (البقرہ:۱۵۶-۱۵۵)

ہماری یہ بد قسمتی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے مصیبتوں میں اپنے قوانین کی طرف رجوع کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے مطابق ہم نے اپنی کوششوں اور اعمال سے رجوع کرنے کی بجائے صرف لوگوں کے موت پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنے کے روادار بن گئے ہیں۔

سورۃ الحدید میں انسانوں کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں جو مصیبتیں آتی ہیں ان کے لیے کوشش اور عمل کی ضرورت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۙ ﴿۲۳﴾ (آیت: ۲۳-۲۲)

"جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں یا جو مصائب آپ کے اوپر وارد ہوتے ہیں وہ بھیجنے سے پہلے سب اللہ کے لکھے ہوئے قوانین کے مطابق آتی ہیں یہ عظمت اور طاقت والی علیم و خبیر ذات کے لیے مشکل نہیں تھا، (یہ آپ کی جزا اور سزا کا اہتمام) اسی لیے کیا ہے کہ جو چیز آپ کے ہاتھوں سے چلی گئی ہے اس کی بد عملی کا نتیجہ سمجھو اور جانے والی پر پشیمان ہو، اور جو انعام آپ کو دیا گیا ہے اس کو بے سبب سمجھ کر فخر مت کرو (کہ کوشش و عمل سے غافل ہو جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ کام چوروں اور مغروروں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔"

ان تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف سے کوشش اور عمل کو پسند کرتے ہیں، اور اس کے لیے اِبْتَلَاء کے مرحلوں سے گذار کر ان کو موقع فراہم کرتے ہیں۔ جب آدمی ان مہلتوں او مواقع کو اپنی لاابالی، سرکشی اور غرور سے کھو دیتا ہے تو مکافات کا قانون عمل میں آجاتا ہے اور آدمی کے لیے اس دنیا کی حیاتی میں بھی اور مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کے لیے خسارے مقدر بن جاتے ہیں۔ ✿